Journal of World Religions and Interfaith
ISSN: 2958-9932 (Print), 2958-9940 (Online)
Vol. 3, Issue 1, Spring 2024, PP. 137-156
HEC:https://hjrs.hec.gov.pk/index.php?r=site%2Fresult&id=1089593#journal_result
Journal homepage: https://journals.iub.edu.pk/index.php/jwrih
Issue: https://journals.iub.edu.pk/index.php/jwrih/issue/view/168
Link: https://journals.iub.edu.pk/index.php/jwrih/article/view/2912
DOI: https://doi.org/10.52461/jwrih.v3i1.2912
Publisher: Department of World Religions and Interfaith Harmony, the Islamia University of Bahawalpur, Pakistan

---

Title The Development and Evolution of Kalam Discussions in the Indian Subcontinent: An Exploration of Islamic Theological Debates

Author (s): **Dr. Hafiz Muhammad Tahir Al Mustafa**
Assistant Professor, Department of Islamic Studies
University of Sialkot

Received on: 08 May, 2024
Accepted on: 15 June, 2024
Published on: 30 June, 2024

Citation: Dr. Hafiz Muhammad Tahir Al Mustafa. 2024. "The Development and Evolution of Kalam Discussions in the Indian Subcontinent: An Exploration of Islamic Theological Debates". *Journal of World Religions and Interfaith Harmony* 3 (1):137-56. https://doi.org/10.52461/jwrih.v3i1.2756.

Publisher: The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan

Journal of World Religions and Interfaith Harmony by the Department of World Religions and Interfaith Harmony is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

JWRIH 03:01 (2024) pp. 137-156 **ISSN: 2958-9932**

علم الکلام اور بر صغیر پاک وہند میں کلامی مباحث کا آغاز وارتقاء

The Development and Evolution of Kalam Discussions in the Indian Subcontinent: An Exploration of Islamic Theological Debates

Dr. Hafiz Muhammad Tahir Al Mustafa
Assistant Professor, Department of Islamic Studies
University of Sialkot. Email: tahir.almustafa@uskt.edu.pk

Abstract

This research undertakes a comprehensive examination of the development and evolution of kalam discussions in the Indian subcontinent, with a specific focus on Pakistan and India. Kalam, a vital component of Islamic theology, has undergone significant transformations in the region, shaped by historical, cultural, and intellectual factors. Through a critical analysis of primary sources, including theological treatises, commentaries, and debates, this study traces the trajectory of kalam discussions from the early Islamic period to the 19th century. It explores the contributions of influential scholars, the emergence of distinct theological schools, and the engagement with philosophical and mystical ideas. This research reveals the dynamic and diverse nature of Islamic theological thought in the Indian subcontinent, highlighting its ongoing relevance and significance in contemporary Muslim intellectual discourse. By shedding light on the evolution of kalam discussions, this study aims to enhance our understanding of Islamic theology, its historical development, and its continued impact on Muslim thought and culture.

Keywords: Kalamic Discources, Indian Subcontinent, Development & Evolution of Theological Debates.

"علم الکلام" مرکب اضافی ہے۔ یہ علوم میں سے ایک ایسے علم کا اسم ہے جو عقائد دینیہ کے متعلق بحث کرتا ہے۔ صدر اسلام میں علم الکلام کے متعلق ابحاث کم تھیں مگر بعد ازاں دیگر اقوام وملل کے ساتھ ملابست اور یونانی فلسفہ کے ساتھ ارتباط نے اس علم کی نئے جہتیں متعارف کروائیں۔ مختلف ادوار میں ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے اس علم کی مختلف تعریفات سامنے آئیں۔ پہلی صدی ہجری کے فقہ حنفی کے بانی امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (80ھ-150ھ) نے عقائد کے متعلق احکام کی معرفت کو "الفقہ الاکبر"[1] کہاہے۔[2] چوتھی صدی ہجری کے مشہور فلسفی ابو نصر فارابی نے علم الکلام کو ایک معاونتی علم قرار دیا جو کہ احکام کے استنباط میں مدد دیتا ہے۔[3] مصر کے مشہور عالم شیخ مصطفی عبد الرازق (1885-1997) نے تمام علوم دینیہ میں کلام کیا ہے اور اس میں دو گروہ بنائے ہیں۔ ایک وہ ہے جس میں انسان مسلم نصوص دین سے استنباط کرتا ہے۔ دوسرا وہ گروہ ہے جس میں انسان دین میں سے عقائد واحکام اور مخالف کو عقلی دلائل کے ساتھ چت کرنے کا ملکہ حاصل کرتا ہے[4] اور علوم کے دوسرے گروہ کو ہی علم الکلام کہا جاتا ہے

چھٹی صدی ہجری کے امام محمد بن محمد الغزالی نے اپنی تصنیف "احیاء علوم الدین" میں توحید باری تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق ابحاث کو علم الکلام میں شمار کیا ہے۔[5] مزید برآں اسلام کے مختلف پہلوؤں پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات دینا بھی علم الکلام کا ہی حصہ ہے۔ آٹھویں صدی ہجری کے اشعری عالم علامہ عضد الدین ایجی نے بھی اسی قول کی تائید کی

---

[1] بیاضی، قاضی کمال الدین احمد، اشارات المرام من عبارات الامام، زمزم پبلی شرز، کراچی، 2004، ص:28-29

[2] امام ابو حنیفہ نے علم الکلام کی جو تعریف کی ہے اس کے اثرات مابعد کلامیین پر بھی ہیں جیسے علامہ سعد الدین تفتازانی نے علامہ عمر نسفی کی کتاب العقائد کی شرح میں تصریح کی ہے کہ دلائل کے ساتھ عقائد کی معرفت کو علم الکلام کہا جاتا ہے۔ یہی حنفی فکر ہمیں کمال بن ہمام صاحب فتح القدیر کی کتاب المسایرہ میں بھی ملتی ہے اور اسی لیے المسامرہ فی شرح المسایرہ میں بھی یہ قول ملتا ہے کہ "وھذا التعریف ماخوذ من قول ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ "تفصیل کے لیے دیکھیے: تفتازانی، سعد الدین، شرح عقائد نسفیہ، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، : ص:2۔ کمال الدین بن ابی الشریف، المسامرہ فی شرح المسایرہ، مکتبۃ الازہریہ للتراث، قاہرہ، 2006، ص:10

[3] ابو نصر فارابی، احصاء العلوم، دار مکتبۃ الھلال، بیروت، 1996ء، ص:86-87

[4] مصطفیٰ عبد الرازق، تمہید لتاریخ الفلسفۃ الاسلامیہ، مکتبہ اسکندریہ، مصر، 2010، ص:259

[5] الغزالی، ابو حامد، محمد بن محمد، احیاء علوم الدین، دار حزم، بیروت، 2006، ص:21-22

ہے[6]۔ آٹھویں صدی ہجری کے ہی مشہور متکلم علامہ سعد الدین تفتازانی (متوفیٰ793ھ –1390ء) نے علم الکلام کی تعریف یوں کی ہے: أنه علم يقتدر معه على إثبات العقائد الدينية بإيراد الحجج ودفع الشبه"[7] مصر کے فلسفی اور عربی دان علامہ شریف جرجانی (740ھ-816ھ) نے علم الکلام کی ابحاث میں قانون اسلام کے مطابق اللہ تعالی کی ذات وصفات اور مبداء و معاد کی ممکنات کے احوال کے علم کو شامل کیا ہے۔[8] مصر کے عظیم داعی اور عالم شیخ محمد عبدہ (1849ء-1905ء) نے علم الکلام کو یوں متعارف کروایا:

" علم يبحث فيه عن وجود الله وما يجب ان يثبت له من صفات وما يجوز ان يوصف به وما يجب ان ينفى عنه ، وعن الرسل وما يجب ان يكونواعليه ومايجوز ان ينسب اليهم ومايمتنع ان يلحق بهم"[9]

اس تعریف میں سابقہ علماء و متکلمین کی نسبت ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسالۃ کی ابحاث کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اسلامی فلسفہ وعقیدہ کے استاد پروفیسر ڈاکٹر حسن محمود عبد اللطیف الشافعی نے اپنے زمانہ کے مطابق علم الکلام کی تعریف یوں کی ہے:

"انه العلم الذى يبحث فيه عن الاحكام الشرعيه الاعتقاديه التى تتعلق بالالهيات او النبوات او السمعيات،من اجل ابرهنه عليها، ودفع الشبه عنها"

یہ تعریف اس علم کے اہم مسائل اور بحث کے میادین کو زیادہ واضح کرتی ہے۔ اور یہ بنیادی مباحث الھیات، نبوات، سمعیات ہیں۔

---

[6] الایجی، عبد الرحمٰن بن احمد، المواقف فی علم الکلام، عالم الکتب، بیروت، ص:7، س۔ن

[7] تفتازنی، مسعود بن عمر، سعد الدین، شرح المقاصد فی علم الکلام، ج:1، ص:7

[8] والكلام علم يبحث فيه عن ذات الله وصفاته واحوال الممكنات من المبداء والمعاد على قانون الاسلا م۔ والقيد الاخير لاخراج العلم الالهى للفلاسفه ۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: شریف جرجانی، علی بن محمد، کتاب التعریفات، انتشارات ناصر خسرو، ایران، 1306ھ، ص:80

[9] محمد عبدہ، رسالۃ التوحید، دارالشروق، 1994ء، بیروت، ص:17

علم الکلام کے مختلف اسماء:

دوسری صدی ہجری میں پہلی مرتبہ علم الکلام کی اصطلاح استعمال کی گئی اور اس سے مراد ایسا علم لیا جاتا تھا جس میں عقائد دینیہ کے متعلق بحث کی جاتی ہو۔ بعد ازاں اس کی مختلف مباحث، اسلوب بحث و تحقیق کی بنیاد پر اس کے مختلف اسماء مروج ہوئے۔ ذیل میں ان کا اجمالی خاکہ بیان کیا جاتا ہے:

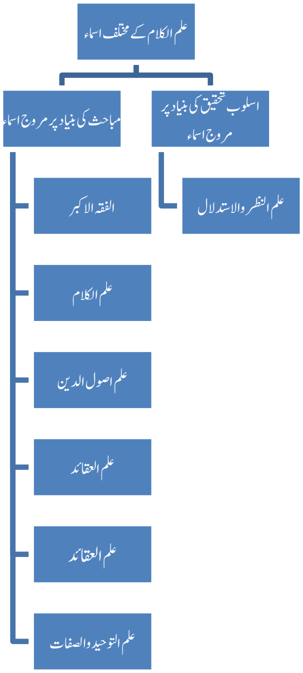

علم الکلام میں مختلف مذاہب:

اہل اسلام میں علم الکلام میں مختلف مذاہب کسی حادثہ کے طور پر وقوع پذیر نہیں ہوئے بلکہ کسی بھی فرقہ یا مذہب کے باقاعدہ ایک شکل اختیار کرنے میں مختلف مراحل ہیں جس کی بنیادی اکائی اختلاف ہے۔ مسلمانوں میں جب بھی علمی یا عملی سطح پر اختلاف واقع ہوا تو پھر اہل فکر ونظر کی ایک جماعت نے اپنے نقطہ ہائے نظر کے لیے کچھ اصول وضع کیے اور ان اصولوں کی تبلیغ و تشہیر کے لیے محنت کی گئی۔ پھر اس مسلک و مذہب کی تائید میں کتب تصنیف کی جاتی ہیں۔ بعض اوقات ان مخصوص افکار ونظریات کے بانی کے جائے سکونت یا نام کی طرف نسبت کی وجہ سے فرقہ کا نام پڑ جاتا ہے۔ اس فرقہ کے متبعین میں سے اگر

کوئی بعد میں نئی جہات متعارف کروائے یا بانی فرقہ کی نسبت زیادہ قبول عام حاصل کرلے تو اسے کے نام سے بھی فرقہ منسوب ہو جاتا ہے۔

شیخ ابو زہرہ مصری نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "تاریخ المذاہب الاسلامیہ فی السیاسۃ والعقائد وتاریخ المذاہب الفقیہ" میں اسلامی مذاہب کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

سیاسی مذاہب:

اعتقادی مذاہب:

فقہی مذاہب:

سیاسی مذاہب:[10]

مسلمانوں کے مابین مسئلہ خلافت اگرچہ اختلاف پیدا کرنے کے لیے نہیں پیدا ہوا تھا بلکہ خلافت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنھما میں نظام خلافت بحسن وخوبی سرانجام چلتا رہا مگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کے اواخر میں فتنہ و شورش کا آغاز ہوا جس سے مختلف نظریات کے حامل افراد منصہ شہود پر آئے۔ ان کا ابتدائی نقطہ اختلاف تو مسئلہ خلافت ہی تھا مگر اپنے مقاصد کے حصول کے لیے احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹا، قرآن سنت کی ایسی تعبیرات پیش کی گئیں جن سے اپنے مقاصد کے آئینہ دار اصول وضع کیے گئے۔ اس طرح وہ گروہ ایک فرقہ کی شکل اختیار کر گئے اور پھر فرقوں میں بھی کئی تقسیمات ہو گئیں۔ شیخ ابو زہرہ نے سیاسی فرقوں میں شیعہ اور ان کے تمام ذیلی(سبیئہ[11]، غرابیہ[12]، کیسانیہ[13]، زیدیہ[14]، امامیہ اثناعشریہ[15]، اسماعیلیہ[16]،

---

10 اس قسم کو یہاں ذکر اس لیے کیا جارہا ہے کیونکہ ان مذاہب کی بنیاد اگرچہ سیاسی ہے مگر ان فرقوں نے اپنے سیاسی نظریات کی تشہیر و تبلیغ میں جب قرآن و سنت سے استشہاد کیا تو ایسے معانی اخذ کیے جن کا تعلق عقائد سے بنتا ہے۔ جیسے شیعہ میں سے کچھ غالی فرقے الوہیت علی کے علاوہ قرآن کے غلطی سے حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آجانے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح خوارخ مرتکب گناہ کو کافر گردانتے تھے۔

11 اس فرقہ کا بانی عبد اللہ ابن سبا تھا۔ یہ غالی شیعہ تھے۔ ان کے عقائد میں بنیادی بات یہ تھی کہ ان کے نزدیک ذات خداوندی حضرت علی رضی اللہ عنہ میں حلول کر آئی ہے۔(العیاذ باللہ) اس فرقہ کا دائرہ اسلام سے خارج تصور کیا جاتا ہے۔

12 یہ فرقہ بھی غالی شیعہ تھا۔ اس کے خیال میں جبرائیل نے وحی نبی اکرم ﷺ کی بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لانی تھی۔ سیدنا ﷺ و علی رضی اللہ عنہ میں مشابہت کی وجہ سے وہ غلطی سے حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس وحی لے گئے۔ کوے کو کوے سے مشابہت ہوتی ہے اور کوے کو عربی میں غراب کہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس فرقہ کو فرقہ غرابیہ کہا جاتا ہے۔ یہ فرقہ بھی دائرہ اسلام سے خارج تصور کیا جاتا ہے

حاکمیہ[17]، نصیریہ[18]) فرقے، اور خوارج[19] اور ان کے تمام ذیلی (ازارقہ[20]، نجدات[21]،صفریہ[22]، عجاردہ[23]، اباضیہ[24]، یزیدیہ[25]، میمونیہ[26]) فرقوں کو شامل کیا ہے۔ذیل میں ان فرقوں کو ایک درجہ بندی میں بیان کیا جاتا ہے:

---

13 اس فرقہ کا بانی مختار ثقفی ہے۔اس کے مقام سکونت کیسان کی طرف نسبت کی وجہ سے اسے فرقہ کیسانیہ کہا جاتا ہے۔ ان کے عقائد میں "بداء، عصمت امام، رجعت امام اور تناسخ ارواح شامل ہیں۔

14 یہ فرقہ اپنے عقائد کے اعتبار سے اہلسنت کے قریب ترین ہے۔ ان کے نزدیک امام کو منتخب کرنا منصب نبوت کے لیے لازم نہ تھا۔ مفضول کی امامت بھی جائز ہوتی ہے۔ دو علاقوں میں دو امام ہوسکتے ہیں۔ گناہ کبیرہ کا مرتکب ابدی جہنمی ہے۔ مؤخر الذکر عقیدہ معتزلہ سے ماخوذ ہے۔

15 امامیہ کے نزدیک شخصاً صریح الفاظ میں مابعد امام کی تعیین کر دی جاتی ہے۔ اس امر میں تمام امامیہ متحد الخیال ہیں کہ نبی وصی میں میں وحی الٰہی کے ماسوائے سرے سے کوئی فرقہ امتیاز نہیں ہوتا۔ ان میں سے حضرت علی سے لے کر حضرت مہدی موعود تک بارہ آئمہ کو ماننے والے امامیہ اثنا عشریہ کہلاتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں امام قانون سازی کا مکمل اختیار رکھتا ہے، معصوم عن الخطا ہوتا ہے، امام سے معجزات کا ظہور ہوتا ہے، امام علم کلی سے بہرہ ور ہوتا ہے اور تحفظ شریعت کے لیے امام ناگزیر ہوتا ہے۔

16 فرقہ اسماعیلہ امامیہ کی ہی ایک شاخ ہے۔ ان کا اثنا عشریہ شیعہ کے ساتھ اختلاف حضرت جعفر صادق کے بیٹے اسماعیل کی امامت کی وجہ سے ہے۔ اور اسماعیل بن جعفر صادق کی نسبت کی وجہ سے ہی ان کو اسماعیلیہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں سے جن لوگوں نے ہندو، برہمن اور یہودیوں کے ساتھ ملابست اختیار کی ان کے عقائد میں کافی حد تک منفی تبدیلی واقع ہوئی۔ یہ لوگ اپنے عقائد کو کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے۔ اس وجہ سے انہیں باطنیہ بھی کہا جاتا تھا۔

17 باطنیہ کے عقائد کے زیر سایہ ہی فرقہ حاکمیہ پروان چڑھا جس میں سے بعض کا یہ کہنا تھا کہ ذات خداوندی آئمہ میں حلول کر آئی ہے۔ اس گروہ کا سرغنہ ایک غالی شیعہ حاکم بامر اللہ فاطمی تھا جو لوگوں اپنی عبادت کرنے کی دعوت دیا کرتا تھا۔

18 شیعہ میں سے ہی ایک غالی فرقہ "نصیریہ" بھی ملک شام میں ہی پیدا ہوا۔ یہ بعض معاملات میں اسماعیلیہ کی طرف منسوب تھا اور بعض معاملات میں اثنا عشریہ کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ گویا یہ غالی شیعوں کے افکار و نظریات کا معجون مرکب بن گیا۔ انہوں نے سبیئہ سے الوہیت علی اور باطنیہ سے شریعت کے ظاہر باطن کا مسئلہ سیکھا۔

19 وہ لوگ جنہوں نے جنگ صفین میں حضرت علی کا ساتھ دیا مگر حضرت امیر معاویہ کی طرف سے ثالثی کی تجویز کو قبول کرنے کی وجہ سے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ بعد ازاں آپ کے بھی خلاف ہوگئے۔ ان کے مشہور عقائد میں خلیفہ کا آزادانہ انتخاب، خلیفہ کے لیے قریشی ہونا لازم نہیں، اقامت امام کا عدم وجوب، ہر گناہ گار کا فر ہے شامل ہیں۔ بعد ازاں ان میں اختلاف پیدا ہوا اور ان میں مختلف فرقے بن گئے۔

20 یہ نافع بن ازرق حنفی کے پیروکار تھے۔ یہ عقائد کے اعتبار سے سب فرقوں میں زیادہ سخت تھا اور تعداد میں بھی زیادہ تھے۔ یہ گناہ گار کو دائمی جہنمی، شادی شدہ زانی کے عدم سنگسار، پاکدامن عورتوں پر حد لگانے کو نہیں مانتے تھے۔

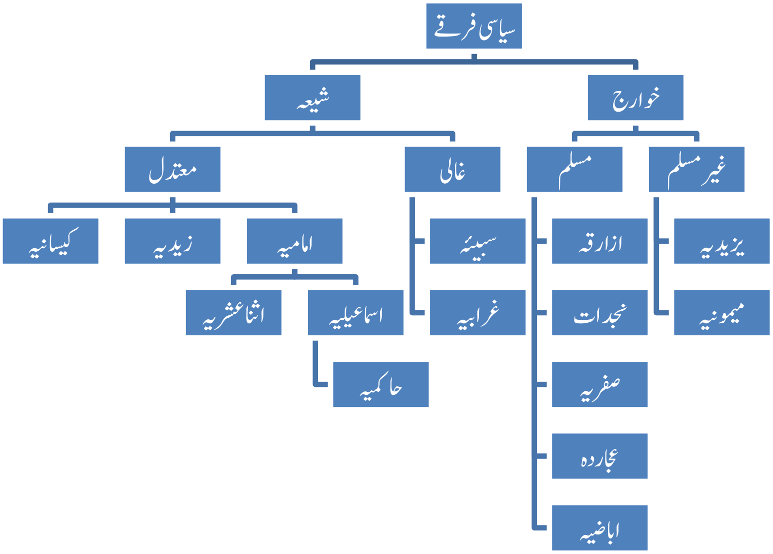

[21] اس فرقہ کے لوگ نجدہ بن عویمر کے پیروکار تھے۔عقائد میں یہ ازارقہ سے ذرا مختلف تھے ان کے نزدیک مسلمان بچوں کا قتل جائز نہ تھا البتہ ذمی اور معاہد کا قتل جائز سمجھتے تھے۔اقامت امام کو مصلحت کے پیش نظر واجب سمجھتے تھے۔۔نجدات ایک نظریہ میں باقی خوارج سے بالکل ممتاز تھے وہ ہے ان کا تقیہ کرنا۔یعنی وہ جب چاہتے جان ومال کی حفاظت کی خاطر اپنے آپ کو غیر خوارج متعارف کروادیتے تھے۔

[22] اس فرقہ کے لوگ زیاد بن الاصفر کے پیروکار تھے۔یہ مرتکبین کبیرہ کو کافر کہنے میں مختلف الخیال تھے۔ان کے نظریات ارازقہ کے مقابلہ میں کم درجے پر تھے مگر دیگر فرقوں کے مقابلے میں متشدد تھے۔

[23] عبدالکریم بن عجرد اس فرقہ کا بانی تھا۔اسی کے نام کے ایک حصہ سے اس فرقہ کو منسوب کیا گیا ہے۔

[24] یہ لوگ عبداللہ بن اباضیہ کے پیرو تھے۔خارجیوں میں سے یہ معتدل ترین تھے اور رائے میں عام مسلمانوں کے قریب تھے۔فرقہ اباضیہ والوں نے ایک فقہ بھی مرتب کی۔

[25] یہ یزید بن ابی انیسہ خارجی کے متبع تھے جو پہلے اباضی تھا۔ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ عجمیوں میں ایک رسو بھیجے گا جو نعوذ باللہ شریعت محمدی ﷺ کو منسوخ کردے گا۔

[26] یہ لوگ میمون عجردی کے پیروکار تھے۔اس فرقہ میں نبات اولاد اور بہن بھائیوں کے بیٹیوں سے نکاح کو جائز سمجھتے تھے۔

اعتقادی مذاہب:

وہ افراد جنہوں نے قرآن کی تعلیم براہ راست نبی اکرم ﷺ سے پائی تھی اور جہاں اشکال محسوس کرتے تو بارگاہ نبوت سے استفادہ کرتے تھے۔ مزید برآں ان کے سامنے ذات خداوندی کی دلیل حضور نبی اکرم ﷺ موجود تھے۔ اس لیے وہ ذات و صفات الٰہیہ کی ابحاث میں نہ پڑے۔ بعد ازاں جب مسلمانوں کا دیگر اقوام و ملل کے ساتھ واسطہ پڑا تو انہوں نے اپنے طرز فکر و نظر سے اللہ تعالی کی ذات و صفات اور مغیبات کے متعلق سوالات پیدا کیے۔ ایرانی فلسفہ کے ساتھ جب مسلمانوں کو واسطہ پڑا تو یہ مسائل مزید گھمبیر ہوگئے۔ حکومتی سطح پر اسلامی عقائد کے متعلق اٹھائے جانے والے اعتراضات کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی۔ شیخ ابو زہرہ کا کہنا ہے کہ "اعتقادی اختلاف عقیدہ کے جوہر و مغز میں پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ یہ اختلاف ان فلسفیانہ مسائل میں تھا جن کو جوہری عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں۔ جوہری عقائد سے مراد خدا کی وحدانیت کا عقیدہ، رسولوں پر ایمان ،روزِ آخرت پر ایمان، اور اس بات پر ایمان کہ آں حضور ﷺ جو مسائل و احکام لائے تھے وہ سب حامل صدق و صواب تھے۔ اختلافی مسائل کا مرکز و محور یہ امور تھے۔:

1. جبر واختیار کا مسئلہ
2. مرتکب کبائر اور اس کا شرعی حکم
3. قرآن کا مخلوق یا غیر مخلوق ہونا

انیسویں صدی کے مشہور تاریخ دان اور فلسفی علامہ شبلی نعمانی (1857ء-1914ء) نے امت میں فکری اختلاف درج ذیل چار اصولوں میں ہوا ہے۔

1. صفات الٰہی کا اثبات و نفی
2. جبر و قدر
3. عقائد واعمال
4. عقل و نقل

ملت اسلامیہ میں اعتقادی مذاہب امت کے مختلف گروہوں کی باہمی فکری و عملی کشمکش اور فلسفہ اور منطق کے اثرات کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ ان مسائل کی بنا پر جبریہ، قدریہ، مرجیہ، معتزلہ، اشاعرہ اور ماتریدیہ معرض وجود میں آئے۔ آٹھویں صدی ہجری سے بارھویں صدی ہجری تک لوگ عقائد میں امام اشعری اور امام ماتریدی کے متبع رہے جس کی وجہ سے کوئی نیا فرقہ

معرض وجود میں نہ آیا۔ یہ تقلید اس قدر فروغ پکڑی کہ آئمہ و مجتہدین کے اقوال کو ہی تقدیس کا مرتبہ دیا جانے لگا، فتاوی میں تقلید کے ساتھ ساتھ اعتقادی مذاہب میں بھی استدلال کا دائرہ محدود کرتے ہوئے تقلید سے کام لیا جانے لگا تو ان کے رد عمل میں چند جدید فرقے سامنے آئے جن میں سے ایک ایک فرقہ وہابیہ ہے جس نے اپنا تعلق امام ابن تیمیہ کے سلفی عقائد کے ساتھ جوڑا۔ جس کی سرپرستی شیخ عبد الوہاب نجدی نے کی۔ شیعہ کے فرقہ اثنا عشریہ میں سے ہی ایک شخص شیخ علی محمد بہائی نے فرقہ بہائیہ کی بنیاد رکھی جس کے عقائد نظریات اسلامی عقائد و نظریات سے قطعاً مختلف ہیں۔ اور تیسرا فرقہ قادیانی ہے جس کی بنیاد غلام احمد قادیانی نے رکھی ۔

برصغیر میں کلامی مباحث کا آغاز وارتقاء

برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کی آمد 712ء میں ہوئی۔ محمد بن قاسم (695ء-715ء) پہلے مسلم فاتح کے طور پر ہندوستان میں داخل ہوا۔ ان کے ساتھ مسلم صوفیاء کی ایک جماعت تھی جنہوں نے اشاعت اسلام کا کام کیا۔ یہ لوگ طبعاً نرم مزاج، صلح جو اور انسان دوست تھے۔ اختلافات میں پڑنا تو در کنار مخالفین کو بھی گلے لگاتے تھے۔ کسی بھی مملکت یا علاقہ میں اختلافی مباحث کا آغاز تب ہی ہوتا ہے جب ایک ہی فرقہ کے لوگ آپس میں الجھ پڑیں یا ان کے ساتھ کچھ ایسے افراد آبسیں جو نظریاتی اور فکری اعتبار سے مختلف ہوں۔ اس فکری اور تہذیبی ملابست سے نئی ابحاث جنم لیتی ہیں۔

علم الکلام کی تعریف اور اس کی مباحث کا تعین کرنے کے بعد اس مقالہ میں برصغیر پاک وہند کے صرف ان حالت کا تذکرہ کریں گے جو کلامی مباحث کے آغاز وارتقاء کے متعلق ہیں۔ مزید برآں اس تحقیق میں پندرھویں صدی عیسوی کے نصف اخیر سے انیسویں صدی تک کی کلامی مباحث کو جو ارتقاء نصیب ہوا اس کا تذکرہ کیا جائے گا۔

پندھویں صدی عیسوی کے نصف اخیر میں ایران میں صفوی خاندان کے شاہ اسماعیل کے برسراقتدار آنے اور اثنا عشریہ شیعیت کو اپنی سلطنت کے سرکاری مذہب قرار دینے کے ہندوستان میں کلامی مباحث کے آغاز پر براہ راست اثرات ہیں۔ انہی کی اقتداء کرتے ہوئے برصغیر میں بھی تین سلطنتوں میں اثنا عشری شیعیت کو سرکاری مذہب قرار سے دیا گیا۔ اول: یوسف عادل شاہ کی سلطنت بیجاپور، اندھرا پردیش کی قطب شاہی سلطنت، سوم: احمد نگر کی سلطنت۔

صفوی خاندان[27] کی مذہبی پالیسی کے اثرات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ان کی ظلم و جبر کی وجہ سے مایہ ناز سنی علماء نے ایران سے دیگر ممالک کی طرف ہجرت کرنا شروع کردی ۔ان میں سے ایک مشہور ایرانی عالم و شاعر مصلح الدین لاری (890-980) تھے جنہوں نے انڈیا کی طرف ہجرت کی۔ آپ علم الکلام کے مایہ ناز عالم تھے۔ آپ نصیر الدین ہمایوں[28] (1508-1556) کی مغلیہ سلطنت میں صدر کے عہدہ پر فائز رہے۔ہمایوں کی وفات کے بعد سلطنت عثمانیہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ پہلا وہ مہاجر عالم جو ایران سے آیا اور برصغیر میں علم الکلام کی تدریس کی وہ فتح اللہ شیرازی[29] متوفی 1588ء ہے جس کے ساتھ برصغیر کے تمام علماء اپنی نسبت کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ اپنے عقائد میں اس قدر متشدد نہیں تھے۔

1530ء میں ظہیر الدین بابر[30] کی وفات کے دس سال بعد ہمایوں کو شیر شاہ سوری[31] نے شکست دی اور وہ ایران بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ ایران کے صفوی خاندان نے ہمایوں کی خوب آؤ بھگت کی ۔10 سال کی جلاوطنی کے بعد بعد ہمایوں نے جب ہند میں واپسی کا ارادہ ظاہر کیا تو صفوی خاندان نے اپنی فوج کے ساتھ اس کی مدد کی اور ہمایوں 1555ء میں دوبارہ دہلی اور آگرے کا اقتدار حاصل کر سکا۔ ایران میں صفوی خاندان کے برسر اقتدار آنے سے شیعیت کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل تھی اور اسی دور میں شیعی معقولات کو بھی عروج ملا۔ ہمایوں کا تقریبا پچیس سال ایران میں وقت گزارنا اور پھر واپسی پر ایرانی فوج کی مدد سے ہندوستان پر دوبارہ اقتدار حاصل کرنا، کی وجہ سے اس پر شیعیت کا الزام بھی لگایا گیا ہے اور اسے بے بنیاد بھی کہا گیا ہے لیکن اس کے باوجود اس حقیقت سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ ہمایوں اگر شیعہ نظریات کا حامی نہیں تو کم از کم مخالف بھی نہیں

---

[27] صفوی خاندان (سلسلہ حکومت:۹۰۷ -۱۱۳۵ھ) ایک شیعہ خاندان تھا جس نے اپنے دور حکومت میں شیعہ مذہب کو حکومتی سطح پر رائج کیا اور پہلی مرتبہ پورے ایران میں شیعہ حکومت قائم ہوئی۔

[28] نصیر الدین محمد ہمایوں، جو 1530ء تا 1540ء اور پھر 1555ء تا 1556ء مغلیہ سلطنت کے حکمران رہے۔

[29] فتح اللہ شیرازی ایک متبحر ایرانی عالم تھے۔ ان کا زمانہ 16ویں صدی عیسوی کا ہے۔ علم ہیئت، نجوم اور جر ثقیل کے ماہر تھے۔ اس کے علاوہ ادبیات حدیث و تفسیر میں بھی مہارت رکھتے تھے۔

[30] ظہیر الدین محمد بابر)پیدائش 14 :فروری 1483ء - وفات 26 :دسمبر 1530ء(، ہندوستان میں مغل سلطنت کا بانی تھے۔

[31] شیر شاہ سوری، کا اصل نام فرید خان تھا۔ تاریخ دان شیر شاہ سوری کو برصغیر کی اسلامی تاریخ کا عظیم رہنما، فاتح اور مصلح مانتے ہیں۔ مغل شہنشاہ ہمایوں کو شکست دے کر ہندوستان پر اپنی حکمرانی قائم کی۔

تھا۔ کیونکہ پچیس سال کا دورانیہ اور فوجی امداد نے اس میں مفاہمت پیدا کر دی تھی۔ مزید بر آں جو ایرانی علماء و متکلمین ہمایوں کے ساتھ آئے ان کے نظریات کی ترویج پر بھی ہمایوں نے کوئی خاص قدغن نہ لگائی۔

مؤرخین نے اگرچہ سنی شیعہ اختلافات کا تذکرہ ہمایوں کے دور سے کیا ہے مگر ظہیر الدین بابر کی ہمایوں کے نام کی جانے والی وصیت میں شیعہ سنی اختلافات سے درگزر کرنا اس طرف بھی توجہ دلاتا ہے کہ یہ اختلافات ظہیر الدین بابر کے دور میں بھی موجود تھے۔[32]

ہمایوں اچانک حادثاتی موت کی وجہ سے 1556ء میں فوت ہو گیا جس وجہ سے زیادہ دیر تک حکومت نہ کر سکا۔ حکومت کو باگ دوڑ ہمایوں کے جواں سال بیٹے جلال الدین اکبر[33] کے ہاتھ آئی جو کہ "ناخواندہ محض"[34] تھا۔ اس لیے چاہیے تھا کہ وہ فوجی وسیاسی مہمات کی طرف اپنی توجہ مرکوز رکھتا اور علمی معاملات راسخ علماء کو سپرد کرتا، مگر اکبر نے مذہبی معاملات میں دخل دینا شروع کیا۔ مختلف مسالک ومذاہب کے لوگوں سے ملاقات کرتا اور ان کے ادیان و مذاہب کے متعلق آگہی حاصل کرتا۔ یہ معاملہ اس حد تک بڑھا کہ اکبر کے دربار میں عیسائی، ملحدین، شیعہ اور مسلمانوں کے عقائد کے متعلق مباحثہ ہونے لگا۔ ملا عبد القادر بدایونی[35](1540ء-1615ء) لکھتے ہیں: "در ہر رکنے از ارکان دین وعقیدہ از عقیدہ اسلامیہ چہ در اصول وچہ در فروع مثل نبوت وکلام ورویت وتکلیف وتکوین، وحشر ونشر شبہات گوناگوں بہ تمسخر واستہزاء آوردہ"[36]

یعنی عقائد اسلامیہ میں سے ہر عقیدہ، ارکان دین خواہ وہ اصول ہوں یا فروع مثلاً مباحث نبوت، مسئلہ خلق قرآن، رؤیت باری تعالیٰ، قدر وجبر، حیات بعد الموت جیسے تمام مسائل پر بے جا طویل بحثیں ہوئیں۔

---

[32] محمد اکرام، شیخ، رود کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 2005ء، ص:23

[33] ابو الفتح جلال الدین محمد اکبر (15 اکتوبر 1542 - 27 اکتوبر 1605)، اکبر اعظم کے نام سے مشہور تیسرا مغل شہنشاہ تھا، جس نے 1556 سے 1605 تک حکومت کی۔ اکبر اپنے والد، ہمایوں کے بعد ایک ریجنٹ، بیرم خان کے ماتحت تخت نشین ہوا، جس نے نوجوان شہنشاہ کی ہندوستان میں مغل سلطنت کو بڑھانے اور مضبوط کرنے میں مدد کی۔

[34] اکبر کے متعلق یہ اصطلاح مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے استعمال کی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ابو الحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس نشریات وتحقیقات، لکھنو، 2005ء، ج:4، ص:81

[35] ملا عبد القادر بدایونی مغلیہ سلطنت میں فارسی مؤرخ اور مترجم کی حیثیت سے تاریخ میں معروف ہیں۔ منتخب التواریخ ان کی معروف تصنیف ہے۔

[36] ملا عبد القادر بدایونی، منتخب التواریخ، ص:307

درج بالا تمام ابحاث کا تعلق علم الکلام سے ہے۔ ہمایوں کے دور میں اگرچہ شیعہ علماء معقولات کو مملکت میں ایک خاص مقام حاصل تھا مگر اکبر کے دور میں ارکان دین کی اصول وفروع جیسے نبوت، مسئلہ کلام الٰہی، رؤیت باری تعالیٰ، جبر قدر، تکوین کائنات، اور بعث بعد الموت جیسی ابحاث پر مناظرے کروائے گئے اور ایسی مجالس کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوگئی تھی۔

1014ھ میں جلال الدین اکبر بادشاہ کا انتقال ہوا تو حضرت مجدد شیخ احمد سرہندی[37] نے ہندوستان میں احیائے دین کے لیے اپنے تجدیدی کارنامے سرانجام دیے۔ شیخ احمد سرہندی کو مجدد الف ثانی کہنے والوں میں تین گروہ[38] زیادہ مشہور ہیں جنہوں نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق آپ تجدیدی کارناموں کو دیگر کارناموں پر فوقیت دی ہے۔ سید ابوالحسن علی ندوی کے نزدیک شیخ احمد سرہندی کے تجدیدی کارناموں کا سرچشمہ "نبوت محمدی ﷺ کی ابدیت وضرورت اور اس پر اعتماد کی بحالی" کو قرار دیتے ہیں جن کے ضمن میں دیگر تمام تجدیدی کارنامے سرانجام پاتے ہیں۔[39]

شیخ احمد سرہندی کے تجدیدی کارناموں کی ہم جہتی ان اقتباس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ: یہ کام کیا تھا؟ روح وفکر اسلامی کی جلاو تازگی، وقت کے اہم ترین اور سنگین فتنوں کا سدباب اور استیصال، نبوت محمدی اور شریعت اسلامی کی صداقت وابدیت پر از سر نو اعتقاد واعتماد بحال کرنا، ریاضت واشراقیت پر مبنی اس روحانی تجربہ اور تلاش حقیقت اور خدارسی کی کوشش کی طلسم شکنی جو محمد عربی ﷺ کی پیروی اور اتباع سے بے نیاز ہو "ہمہ اوست" اور وحدۃ الوجود کے عقیدہ اور نظریہ کی پردہ کشائی جو اپنے غلو و مبالغہ اور اشاعت وقبولیت کے نقطہ عروج پر پہنچ چکا تھا، اور جس سے عقائد میں تزلزل اور مسلم معاشرہ میں انتشار پیدا ہورہا تھا اور اس کے متوازی "وحدۃ الشہود کے مسلک و نظریہ کو مدلل و مرتب شکل میں پیش کرنا، بدعات (جنہوں نے ایک مستقل تشریع کی شکل اختیار کرلی تھی) کی کھلی ہوئی تردید و مخالفت حتیٰ کہ "بدعت حسنہ" کے وجود سے بھی انکار اور پھر آخر میں ہندوستان میں اسلام کے اکھڑتے ہوئے قدموں کو جمانے، اکبری عہد کے مخالف اسلام اثرات کے ختم کرنے اور ہندوستان میں

---

[37] شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی کا مکمل نام شیخ احمد سرہندی ابن شیخ عبد الاحد فاروقی) (1564ء—1624ء) دسویں صدی ہجری کے نہایت ہی مشہور عالم وصوفی تھے۔

[38] گروہ اول کا کہنا کہ ہندوستان میں اسلام کو برہمنیت یا کسی دوسرے مذہب میں مدغم ہونے کے بچانا سب سے بڑا تجدیدی کارنامہ ہے۔ گروہ ثانی کا کہنا ہے کہ شریعت کو بہر صورت طریقت پر فوقیت دینا سب سے بڑا تجدیدی کارنامہ ہے۔ گروہ ثالث کا کہنا ہے کہ وحدۃ الوجود کے مقابلہ میں وحدۃ الشہود کا نقطہ نظر بیان کرنا سب سے بڑا تجدیدی کارنامہ ہے۔

[39] تفصیل کے لیے دیکھیے: ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، ج:4، ص:195

ایک ایسا تجدیدی دینی انقلاب لانے کی حکیمانہ اور کامیاب کوشش جس کے نتیجے میں ایک طرف اکبر کے تخت پر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر تخت نشین ہوتا ہے، دوسری طرف حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خلفاء و تلامذہ کا وہ سلسلہ وجود میں آتا ہے جو روحانی و باطنی طور پر اسی سلسلہ سے وابستہ اور منسوب ہے۔[40]

اس قدرے طویل اقتباس کو ذکر کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ شیخ احمد سرہندی کے دور میں کون سی مباحث علمیہ کا دور دورہ تھا۔

ہندوستان کے مدارس میں علم الکلام کا نصاب:

مُلّا سید عبد الحی لکھنوی (متوفیٰ 1341ھ۔1923ء) نے ہندوستان کا درس نصاب اور اس کے تغیرات کے عنوان سے ایک کتابچہ لکھا ہے جس میں علم الکلام کی تدریس کا مرحلہ وار جائزہ لیا گیا ہے۔ ذیل میں اس کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

دور اول: اس کا آغاز ساتویں صدی ہجری یعنی تیرھویں صدی عیسویں سے سمجھنا چاہیے اس میں کلام پر شرح صحائف اور بعض مقامات پر تمہید ابو شکور سالمی پڑھائی جاتی تھیں۔

دور ثانی: اس دور کا آغاز نویں صدی ہجری کے آخر سے ہوتا ہے۔ اس دور میں میر سید شریف کے تلامذہ نے شرح مطالع، شرح موقف کو رواج دیا اور تفتازانی کے شاگردوں نے مطول و مختصر کی بنیاد ڈالی اور تلویح و شرح عقائد نسفی کو رواج دیا۔

دور سوم: دسویں صدی کے اخیر میں میر فتح اللہ شیراز (ایران) سے ہندوستان آئے، اکبر نے ان کو عضد الملک کا خطاب دے کر پذیرائی کی، انہوں نے سابق نصاب درس میں کچھ معقولی کتابوں کے اضافے کئے اور انھیں کے زیر اثر ہندوستانی نصاب میں ان کا رواج ہوا۔ آپ نے شرح عقائد نسفی، معہ حاشیہ خیالی کا اضافہ کیا۔ اس دور کی افادیت و اہمیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس درس کو مقبولیت عام اس وقت حاصل ہوئی جب فتح اللہ شیرازی نے اس کو رواج دیا اور ان کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد ہندوستان میں پھیل گئے۔ مفتی عبد السلام، شاہ فتح اللہ شیرازی کے جلیل القدر شاگرد تھے انہوں نے چالیس سال تک لاہور میں بیٹھ کر درس دیا۔ اور ہزاروں کو فائدہ پہنچایا۔

دور چہارم: بارھویں صدی ہجری میں یہ دور قائم ہوا اور اس کی بنیاد ملا نظام الدین سہالوی نے رکھی۔ کلام میں میر زاہد، شرح مواقف اور شرح عقائد جلالی شامل رکھی۔[41]

---

[40] ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، ج:4، ص:192

مولانا سید عبد الحی کے اس جائزہ سے درج ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

- برصغیر پاک وہند میں سنی علم الکلام کی تدریس کا منظم انداز گیارہویں صدی ہجری / سترھویں صدی عیسوی میں لاہور شہر میں ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔
- برصغیر پاک وہند میں علم الکلام کی تدریس پر ایرانی علوم عقلیہ کے اثرات ہیں۔
- علم الکلام میں جلال الدین دوانی کی شرح عقائد العضدیہ، الجرجانی کی شرح المواقف، تفتازانی کی شرح العقائد النسفیہ، تفتازانی کی المقاصد، تفتازانی کی شرح عقائد نسفیہ پر خیالی کا حاشیہ پڑھی جاتی رہیں۔

ہندوستان کے ممتاز علمی حلقے

شیخ محمد اکرام نے سید سلیمان ندوی کی طرف منسوب ایک مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے فتح اللہ شیرازی سے شاہ عبد العزیز دہلوی تک علوم اسلامیہ کے ہندوستان میں فروغ کا اجمالی جائزہ یوں پیش کیا ہے:

"اکبر کے زمانے میں حکیم فتح اللہ شیرازی نے یہاں معقولات کو فروغ دیا۔ شاہجہاں اور عالمگیر کے زمانے میں ملا عبد الحکیم سیالکوٹی اور میر زاہد ہروی نے منطق اور فلسفے کا درس دیا۔ انہی کے تلامذہ میں سے شاہ ولی اللہ، فرنگی محل اور خیر آباد کی درسگاہوں میں متاخرین کے معقولات اور شروح و حواشی کی بہار آئی۔ حکیم فتح اللہ شیرازی، کے شاگرد عبد السلام لاہوری اور ان کے شاگرد مُلّا عبد السلام اودھی، ان سے مُلّا قطب الدین سہالوی، ان سے مُلّا قطب الدین صاحب شمس آبادی،، مُلّا امان اللہ بنارسی اور قاضی محب اللہ بہاری نے اور مُلّا قطب الدین سہالوی کے صاحبزادہ مُلّا نظام الدین نے، مُلّا امان اللہ بنارسی نے پڑھا۔ مگر نظام الدین کے وارث مُلّا بحر العلوم ہوئے۔ بحر العلوم سے خیر آباد کا علمی خاندان چلا، میر زاہد کا فیض شاہ عبد الرحیم دہلوی کو اور ان سے شاہ ولی اللہ صاحب کو۔ ان سے شاہ عبد العزیز صاحب کو پہنچا اور ان سے ملک میں عام ہوا۔"[42]

اس ترتیب کو درج ذیل نقشہ سے بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

---

41 حکیم، سید عبد الحی، ہندوستان کا نصاب درس اور اس کے تغیرات، شعبہ تعمیر و ترقی، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنو، ص:9-16، س۔ن

42 شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 2005، ص:603-604

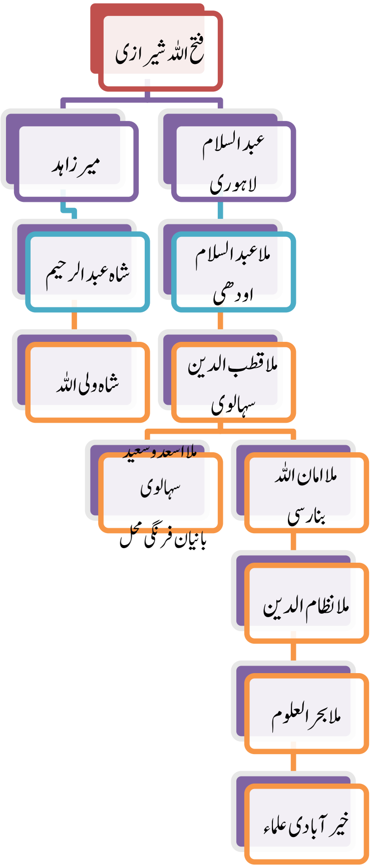

درج بالا اقتباس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بارھویں صدہ ہجری / اٹھارویں صدی عیسی تک شاہ ولی اللہ، فرنگی محلی اور خیر آبادی درسگاہوں میں ایک ہی نوعیت کا نصاب پڑھایا جاتا رہا۔ مزید بر آں یہ علم الکلام وہی تھا جو ایرانی علماء سے ہوتا ہوا برصغیر میں پہنچا تھا۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایک جیسے ہی علم الکلام پر مشتمل نصاب، کلامی پہلوؤں، اور ایک ہی متن کی مختلف شروحات کو پڑھا جارہا تھا۔ معقولات و علم الکلام میں یا تو شروحات لکھی جارہیں تھیں یا مختلف فیہ مسائل پر ابحاث جاری تھیں۔ اس امر کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی کہ علم الکلام کے خدوخال کو نئے سرے سے مرتب کیا جائے۔ مولانا شبلی نعمانی نے بھی اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھاہے کہ "ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہی کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا اس کے لحاظ سے یہ امید نہ رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہو گا۔ لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھلانا تھا کہ

اخیر زمانہ میں جب ملکہ اسلام کا نفس باز پسیں تھا۔ شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔"[43]

شاہ ولی اللہ نے عقائد کے ساتھ ساتھ احکام کی مصلحتیں بیان کرنا بھی اپنا مقصود ٹھہرایا۔ ان کے نزدیک نماز روز، حج زکاۃ اور دیگر احکام شرعیہ اگرچہ صرف مصلحت عقلی پر موقوف نہیں ہیں مگر ان کی عقلی توجیہ کرنا اس لیے بھی لازم ہے کہ اس سے جہاں ایک طرف مکلف کو تسلی نصیب ہوتی ہے تو دوسری طرف مفسدین کے اعتراضات کا بھی جواب بھی دیا جاتا ہے۔

برصغیر کی کلامی مباحث میں اہم دور

اٹھارویں اور انیسویں صدی کے درمیان میں ہندوستان پر عیسائیوں کے مکمل قبضہ کے بعد انہوں نے عیسائی تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا تو برصغیر کے مسلمانوں کے ہاں علم الکلام کا ایک اور دروازہ کھل گیا۔ مسلمانوں کی طرف سے مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور سید آل حسن رضوی کے علاوہ متعدد علماء نے ردعیسائیت پر کتب تصنیف کیں۔

تیرھویں صدی ہجری کے اختتام پر مرزا غلام احمد قادیانی (جو پہلے آریہ سماج کے خلاف مسلمانوں کی طرف سے کتب لکھا کرتے تھے) نے مہدی موعود ہونے کا دعوی کیا۔ بعد ازاں عیسی ابن مریم اور پھر اپنے نبی ہونے کا دعوی کر دیا۔ علمائے حق نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے متعدد کتب لکھیں۔ انیسویں صدی عیسوی میں ہی سر سید احمد خان نے عقلیت پسند افکار پیش کیے۔ مولانا عبدالحق حقانی نے ان کے رد میں تفسیر لکھی۔

اسی دور میں محمد بن عبد الوہاب نجدی کے عقائد و نظریات کے ہم خیال لوگوں نے بزعم خویش، بدعتوں کو ختم کرنے کا عزم بلند کیا۔ یہ لوگ عقائد و تعلیمات میں علامہ ابن تیمیہ سے متاثر تھے مگر بہت سے معاملات میں بغیر تقلید کے براہ راست قرآن و حدیث سے استنباط کرنے کے خواہاں تھے۔ شاہ اسماعیل دہلوی (شاہ ولی اللہ کے پوتے) بھی بدعتوں کے رد میں میدان عمل میں آئے۔ اس حوالہ سے آپ کی تحریک وہابیہ کے ساتھ مشارکت پائی جاتی ہے۔

تیرھویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں خدا کے جھوٹ بولنے اور محمد ﷺ جیسا دوسرا نبی لانے کی قدرت پر ابحاث شروع ہوئیں جو کہ برصغیر میں فرقہ پرستی کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں "یک روزی" مرتبہ اسماعیل شہید دہلوی نے اس رسالہ میں یہ ثابت کیا کہ آنحضرت ﷺ کا نظیر و مثل عقلا ممکن ہے، لیکن پایا نہیں جائے گا۔ 1230ھ /

---

43 شبلی نعمانی، علم الکلام اور الکلام، نفیس اکیڈمی، لاہور، ص 86، س۔ن

1820ء میں رسالہ فی امتناع النظیر مرتبہ فضل حق خیر آبادی، نے اس رسالہ میں یہ ثابت کیا کہ آں حضرت ﷺ کے مثل و نظیر کا وجود محال ہے اور مصنف نے اس رسالہ میں شاہ اسماعیل دہلوی کی رائے کی سخت تردید کی۔ پھر ایک رسالہ مولوی سراج الدین بجنوری نے مولانا فضلؒ حق آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی کی تائید میں لکھا۔"[44]

یہ بحث جو تقریباً انیسویں صدی کے آخر تک جاری رہی۔ ان کو سیاسی، سماجی اور علمی محرکات سے جلا بخشی گئی۔ اس صدی میں خدا کے جھوٹ بولنے اور اور مثل محمد ﷺ لانے کے امکان اور عدم امکان کی بحث نے دیوبندی اور بریلوی مکاتب فکر کی قلم پزیری میں کردار ادا کیا۔ اول الذکر (یعنی دیوبندیوں) نے اس مؤقف کے بہت سارے پہلوؤں اور روایات جو کہ شاہ اسماعیل نے بیان کی تھیں کو اپنالیا اور مابعد الذکر یعنی بریلوی علماء نے دیگر صوفیانہ نظریات ومعمولات کے ساتھ اس موقف کو اپنالیا جس کو خیر آبادی علماء نے بیان کیا تھا۔

مولانا عبد الحی نے اس اختلافی صورتحال میں جو کتب تصنیف کی گئیں ان کا تذکرہ درج ذیل تقسیم میں کیا ہے۔

- باری تعالیٰ سے جھوٹ کے امکان اوعدم امکان پر کتب
- نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت پر کتابیں
- شرک وبدعت کے مسائل ومباحث پر کتب
- میلاد وقیام کے مسائل ومباحث پر کتب
- سماع موتی، نذوذبیحہ، استعانت، شفاعت، تبرکات، اذان کے وقت انگوٹھوں کو بوسہ دینے کی مباحث پر کتب[45]

راقم کے نزدیک ان تمام موضوعات پر بحث افراط و تفریط کا شکار ہو گئیں۔ ان ابحاث کے ساتھ سیاسی، سماجی اور علمی محرکات شامل ہوگئے۔ اگر آج بھی فکر ولی اللہ کو سامنے رکھتے ہوئے تطبیق واعتدال دینے کی کوشش کی جائے تو ان مسائل میں درمیانی راہ دی جاسکتی ہے۔

نتیجہ بحث:

---

[44] ،عبد الحی، الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند، مؤسسہ ہنداوی للتعلیم والثقافۃ، مصر، ص:214

[45] ایضا، ص:216-219

- علم الکلام میں عقائد کے متعلق بحث کی جاتی ہے جس کی بنیادی مباحث ایمان باللہ، ایمان بالرسالہ اور تصور معاد و مغیبات ہیں۔
- صدر اسلام میں ایمان باللہ اور ایمان بالرسالہ پر ابحاث اس لیے بھی ناں ہوئیں کہ ذات خداوندوی کی دلیل نبی اکرم ﷺ موجود تھے
- ملت اسلامیہ میں اعتقادی مذاہب امت کے مختلف گروہوں کی باہمی فکری و عملی کشمکش اور فلسفہ اور منطق کے اثرات کی وجہ سے پیدا ہوئے۔
- اہل اسلام میں علم الکلام میں مختلف مذاہب کسی حادثہ کے طور پر وقوع پذیر نہیں ہوئے بلکہ کسی بھی فرقہ یا مذہب کے باقاعدہ ایک شکل اختیار کرنے میں مختلف مراحل ہیں جس کی بنیادی اکائی اختلاف ہے۔
- پندھویں صدی عیسوی کے نصف اخیر میں ایران میں صفوی خاندان کے شاہ اسماعیل کے برسر اقتدار آنے اور اثنا عشریہ شیعیت کو اپنی سلطنت کے سرکاری مذہب قرار دینے کے ہندوستان میں کلامی مباحث کے آغاز پر براہ راست اثرات ہیں۔
- جلال الدین اکبر مغل بادشاہ کے دور سے قبل برصغیر میں شیعہ و سنی علم الکلام پر ہی توجہ تھی مگر جلال الدین کے زمانہ سے ملحدین اور عیسائی اعتراضات کی بنا پر علم الکلام میں ان کی مباحث بھی در آئیں۔ تو گویا علم الکلام کا حلقہ مزید وسیع ہو گیا۔
- ملا فتح اللہ شیرازی کے شاگردوں نے ہی برصغیر میں سنی علم الکلام کی کتب، شروحات، تعلیقات لکھنے کا آغاز کیا اور انہیں سے فرنگی محلی، خیر آبادی اور ولی اللہی مکاتب فکر سامنے آئے۔
- شاہ ولی اللہ نے عقائد کے ساتھ ساتھ احکام کی مصلحتیں بیان کرنا بھی اپنا مقصود ٹھہرایا جس نے علم الکلام کو ایک نئی جہت عطا کی۔
- اٹھارویں اور انیسویں صدی کے درمیان میں ہندوستان پر عیسائیوں کے مکمل قبضہ کے بعد انہوں نے عیسائی تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا تو برصغیر کے مسلمانوں کے ہاں علم الکلام کا ایک اور دروازہ کھل گیا۔ مسلمانوں کی طرف سے مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور سید آل حسن رضوی کے علاوہ متعدد علماء نے رد عیسائیت پر کتب تصنیف کیں۔

- تیرھویں صدی ہجری کے اختتام پر مرزا غلام احمد قادیانی نے مہدی موعود ہونے کا دعوی کیا۔ بعد ازاں عیسی ابن مریم اور پھر اپنے نبی ہونے کا دعوی کر دیا۔ علمائے حق نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے متعدد کتب لکھیں۔
- انیسویں صدی عیسوی میں ہی سر سید احمد خان نے عقلیت پسند افکار پیش کیے۔ مولانا عبد الحق حقانی نے ان کے رد میں تفسیر لکھی۔
- تیرھویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں خدا کے جھوٹ بولنے اور محمد ﷺ جیسا دوسرا نبی لانے کی قدرت پر ابحاث شروع ہوئیں جو کہ برصغیر میں فرقہ پرستی کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔ جو کہ تقریبا انیسویں صدی کے آخر تک جاری رہی۔ ان کو سیاسی، سماجی اور علمی محرکات سے جلا بخشی گئی۔ اس بحث نے دیوبندی اور بریلوی مکاتب فکر کی قلم پزیری میں کردار ادا کیا۔